مَا الاحسانُ یا رسولَ اللہ - [illegible] - قال اَنْ تعبُدَ اللہَ کَاَنّکَ تراہُ فَاِنْ لَمْ تکُنْ تراہُ فَاِنّہٗ یَراکَ. الحدیث.

نسبت و احسان

اور

اعمالِ قلبیہ

مرتب و ناقل

العبد موسیٰ بدات بلیشوری گجراتی

ناشر

العبد موسیٰ ابدات بلیشوری گجراتی باٹلی برطانیہ

ما الاحسان یا رسول اللہ ﷺ ۔ قال أن تعبد اللہ کأنک تراہ
فإن لم تکن تراہ فإنہ یراک ۔ الحدیث

نسبتِ احسان

اور

اعمالِ قلبیہ

ادارہ فیضان حضرت گنگوہی رح

مرتب و ناقل

العبد موسیٰ بدات بلیشوری گجراتی

ناشر

العبد موسیٰ بدات بلیشوری گجراتی باٹلی برطانیہ یو کے

عرضِ مُرتّب

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہٖ الکریم ط امّا بعد!

جس تیزی سے زمانہ گذرتا جارہا ہے اسی تیزی سے بُرائیوں کی کثرت اور اعمالِ صالحہ سے بے رغبتی اور دُوری بڑھتی جارہی ہے اور ارکانِ اسلام اجنبی اور غیرمانوس ہوتے جارہے ہیں۔ "نسبت واحسان" جن کو شریعت میں بڑی اہمیت حاصل ہے، مگر عمومی طور پر نہ اس کو ضروری سمجھتے ہیں، نہ اس کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ بندہ نے اپنے بزرگوں کی کتابوں سے اس مختصر غیر مربوط مجموعہ کو جمع کیا ہے، تاکہ نسبت واحسان اور اشغالِ قلبیہ کی ضرورت کا احساس بیدار ہوکر اس کے حصول کی کوشش کی جائے۔

حق تعالیٰ شانہٗ سے دُعا ہے کہ اس مجموعہ کو قبول فرمائے اور مخلوق کے لئے مفید ونافع بنائے۔ آمین!

وَصَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا

وَمَوْلَانَا محمّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمْ

حَـرَّرَہٗ العبد موسیٰ گجراتی

۵ ر رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ

کلماتِ طیّبات

از فقیہ الامّت جامع الشریعت والطریقت حضرت اقدس
مفتیٔ اعظمِ ہند مولانا محمود حسن صاحب گنگوہی دامت برکاتہم

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

مکرم محترم مولانا موسیٰ بدات صاحب مدت فیوضکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا مضمون سُنا۔ ماشاء اللہ بہت مفید ہے۔ نسبت کی تقسیم پر حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ تقریباً ہر سال اعتکاف میں فرمادیا کرتے تھے۔ اور متعدد مقامات پر طبع بھی ہوچکا ہے۔ آپ نے بھی ماشاء اللہ واضح کردیا ہے۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

آپ بیتی میں بھی یہ مضمون آچکا ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ آپ کا لکھا ہوا کافی ہے۔ دل سے دُعا کرتا ہوں حق تعالیٰ طالبین کو نفع دے۔ اور غیر طالبین کو طالب بنائے۔

طبیعت ایک ہی طرف پورے طور پر کام کرپاتی ہے۔ جب ایک چیز سے فراغت ہوجائے تب دوسری طرف متوجہ ہوتی ہے۔ البتہ گاہے گاہے کچھ مخصوص چیزیں دوسری طرف سے نوٹ کرلی جائیں تو زیادہ مناسب ہے۔

فقط والسّلام

املاہ العبد محمود غفرلہٗ ۸/۵/۱۴۱۳ھ

باسمہٖ تعالیٰ

نسبتِ احسان و اعمالِ قلبیہ

حقیقتِ نسبت

سیدی و مرشدی بقیۃ السلف فقیہ الامت جامع الشریعت والطریقت حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی دامت برکاتہم اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ ذکر سے ایک نسبت پیدا ہو جاتی ہے مذکور کے ساتھ۔ جب آدمی اللہ کا نام بار بار لیتا ہے تو اس کا خاص تعلق ہو جاتا ہے، اس کے اوپر خصوصی اثرات مرتب ہوتے ہیں، اسی کو نسبت کہتے ہیں۔ ویسے تو نسبت نام لگاؤ اور تعلق کا ہے۔ ہر مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ لگاؤ اور تعلق ہے۔ جو خصوصی اثرات لیے ہوئے ہو وہ ذکر سے پیدا ہوتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں: "میں نے حضرت رائپوریؒ سے پوچھا کہ حضرت نسبت کسے کہتے ہیں؟ فرمایا اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ کی توفیق کا نام ہے نسبت۔ اخلاقِ فاضلہ صبر ہے، شکر ہے، حلم ہے، سخاوت ہے، ایثار ہے۔ یہ ہیں اخلاقِ فاضلہ۔ یہ اخلاقِ فاضلہ اس کے اندر آتے ہیں۔ اور ان اخلاق کی جو ضد ہیں وہ اس سے نکل جاتی ہیں۔"

(مواعظ قسط ۳)

حضرت شیخ زکریا رحؒ اپنے ایک مضمون نسبت و اجازت میں تحریر فرماتے ہیں کہ نسبت کی حقیقت کے متعلق حضرت تھانوی رحؒ کا ارشاد عام فہم ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نسبت کے لغوی معنیٰ ہیں لگاؤ اور تعلق کے۔ اور اصطلاحی معنیٰ ہیں بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص تعلق یعنی اطاعتِ دائمہ و ذکرِ غالب اور حق تعالیٰ کا بندہ سے خاص قسم کا تعلق، یعنی قبول و رضاء جیسا کہ عاشق مطیع اور باوفا معشوق میں ہوتا ہے۔ اور صاحب نسبت ہونے کی یہ علامت تحریر فرمائی کہ اُس شخص کی صحبت میں رغبت الی الآخرۃ اور نفرت عن الدنیا کا اثر ہو اور اس کی طرف دینداروں کی زیادہ توجہ ہو اور دنیاداروں کی کم۔ مگر یہ پہچان خصوصاً اس کا جزء اوّل عوام محجوبین کو کم ہوتی ہے اہل طریق کو زیادہ۔ جب نسبت کے معنیٰ معلوم ہوگئے تو ظاہر ہوگیا کہ فاسق و کافر صاحب نسبت نہیں ہو سکتا۔ بعض لوگ غلطی سے نسبت کے معنیٰ خاص کیفیات کو (جو ثمرہ ہوتا ہے ریاضت و مجاہدہ کا) سمجھتے ہیں۔ یہ کیفیت ہر مرتاض (مجاہدہ کرنے والا) میں ہو سکتی ہے۔ مگر یہ اصطلاح جہلا کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نسبت ایک خاص نوع کے تعلق کا نام ہے۔ اور جس قدر تعلق قوی ہوگا اسی قدر نسبت بھی قوی ہوگی۔ عمومی نسبت تو ہر مسلمان کو اللہ جل شانہٗ سے ہے۔ لیکن یہ نسبت خاص قسم کی محبت اور خصوصی تعلق کا ثمرہ ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ محبت کے مراتب اور عشق کے درجات ہوتے ہیں ایسے ہی اس نسبت کے درجات بھی نہایت متفاوت اور کم و بیش ہوتے رہتے ہیں۔ اس کا منتہیٰ تو دریائے عشق میں ڈوب جانا ہے ؎

عبث ہے جستجو بحرِ محبت کے کنارے کی!
بس اسمیں ڈوب ہی جانا ہے اے دل پار ہوجانا
(رسالہ نسبت واجازت از حضرت شیخ رح)

پھر حضرت شیخ رح نے تفسیر عزیزی کے حوالہ سے نسبت کی چار قسمیں تحریر فرمائی ہیں۔ ۱ انعکاسی ۲ القائی ۳ اصلاحی ۴ اتحادی۔ تفصیل ملاحظہ ہو آپ بیتی جزء ص ۵۔ اور یہ نسبتیں صاحبِ نسبت بزرگوں کی صحبت میں رہنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ جیسے کہ صحابۂ کرام کو نبی علیہ السّلام کی صحبت کی برکت سے خدا تعالیٰ سے اعلیٰ قسم کی نسبت و تعلق نصیب ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقام پر فائز ہوئے ۔

اُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

حقیقتِ احسان

احسان کے معنیٰ کسی چیز میں حسن اور اچھائی پیدا کر دینا ہے۔ احسان کا مادّہ بھی حسن ہے۔ احسان کے اصطلاحی معنیٰ! ایک خاص تصور اور مراقبہ (دھیان) کا نام ہے (حدیث احسان از شاہ عبد الغنی صاحب رح) احسان کے لغوی اور شرعی معنیٰ میں کھلا ہوا ربط ہے۔ ایمان اور اسلام میں حسن کب آتا ہے۔ جب احسان کی روح اور اخلاص بھی آجائے۔ جیسے کہ مشہور حدیثِ جبرئیل ع میں ایمان و اسلام کی حقیقت دریافت کرنے کے بعد حضرت جبرئیل ع نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ مَا الاحسان یارسول اللہ، قال ان تعبد اللہ کأنّکَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فانہ یراک (بخاری شریف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں

فرمایا، اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس احسان کو بعد ایمان و اسلام کے فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ عقائدِ ضروریہ و اعمالِ ظاہرہ کے کوئی اور چیز بھی ہے اس کا نام حدیث میں احسان آیا ہے۔ اور اس کی حقیقت بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ وہ بھی طریق باطن ہے، کیوں کہ بدوں اس طریق کے ایسی حضوری بالکل میسر نہیں ہوتی کہ لاکھوں معتبر آدمیوں کی شہادت موجود ہے جس کے غلط ہونے کا عقل کو احتمال نہیں ہو سکتا (شریعت و طریقت)

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریر

فرماتے ہیں اصل چیز تو ایمان ہے اور وہ جذرِ قلب میں ہوتا ہے۔ جب وہ ایمان ترقی کرتا ہے تو جوارح (بدن) پر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے، پھر اس ایمان و اسلام میں انبیاء علیہم السلام کی ہدایت کے مطابق مزاولت کرتا ہے۔ اس باقاعدگی اور مزاولت سے جو قوت حاصل ہوتی ہے اسی کو احسان کہا جاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام اس فن کے بڑے اساتذہ ہیں تو ایمان ترقی کر کے اسلام ہو جاتا ہے اور وہی اسلام ترقی کر کے احسان بنتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں: شریعت جو ایمان و اسلام کا مجموعہ ہے اسی کی باقاعدہ اور متواتر مزاولت و مشق سے احسان حاصل ہوتا ہے یا یہی طریقت ہے پھر اس پر دُنیا میں کچھ ثمراتِ باطنہ ملتے ہیں، اسی کو معرفت و عرفان سے تعبیر کیا جاتا ہے (فضل الباری ج ۱۰۷)

حضرت شیخ زکریاؒ کا ارشاد

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ اپنی ایک تصنیف "شریعت و طریقت" میں تحریر فرماتے ہیں: طریقت دراصل اس احسان ہی کا ایک نام ہے یا تحصیلِ صفتِ احسان کا طریقہ ہے، اسی کو تصوف و سلوک کہتے ہیں یا جو چاہے نام رکھ دیا جائے، یہ سب تعبیرات ہیں۔ آگے تحریر فرماتے ہیں: حضرت قطب الارشاد (مولانا گنگوہی) نور اللہ مرقدہٗ کا ارشاد ہے۔ فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت رُوحانی کی یہ حالت تھی کہ بڑے بڑے کافر کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتے ہی مرتبۂ احسان حاصل ہو جاتا تھا، جس کی ایک نظیر یہ ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم پاخانہ پیشاب کیسے کریں اور حق تعالیٰ کے سامنے ننگے کیوں کر ہوں۔ یہ انتہا ہے (کما روی البخاری فی کتاب التفسیر عن ابن عباس رضؓ الی آخر الحدیث) اور ان کو مجاہدات و ریاضات کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ اور یہ قوت بفیضِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں تھی مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم تھی۔ اور تابعین میں بھی تھی مگر صحابہ سے کم تھی۔ لیکن تبع تابعین میں یہ قوت بہت ہی کم ہو گئی تھی۔ اور اس کمی کی تلافی کے لئے بزرگوں نے مجاہدات اور ریاضات ایجاد کیے۔ ایک زمانہ تک تو محض وسائل غیر مقصودہ کے درجہ میں رہے۔ مگر جوں جوں خیر القرون کو بعد ہوتا گیا ان میں مقصودیت کی شان پیدا ہوتی رہی (اور بدعات داخل ہو گئیں)

آگے فرماتے ہیں: محققین صوفیاء نے ان خرابیوں کی اصلاحیں بھی کیں۔ (جیسے شیخ عبد القادر جیلانی رحؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، مجدد الف ثانیؒ، سید احمد شہید رحؒ) نتیجہ یہ ہوا کہ اِن بدعات میں کچھ کمی ہو گئی لیکن

بالکل ازالہ نہ ہوا۔ (شریعت و طریقت کا تلازم ص۹۴)

ازمرتب جیسے کہ اکابر کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد مرتبہ احسان کا حصول اور اخلاقِ حسنہ سے مزین ہونا اور رذائل سے صاف ہونا ہے جو دینِ اسلام کا بھی ایک جزو ہے۔ باقی مجاہدات و ریاضات اور باقاعدہ فنی اصطلاحات یہ وسائل ہیں جو احداث للدین ہیں نہ کہ فی الدین۔ جیسے کہ مقصد تلاوتِ کتاب و تعلیم کتاب و حکمت ہے، لیکن اس مقصد کے لئے باقاعدہ مدارس کا نظام، نصاب کی ترتیب، کتابوں کی طباعت وغیرہ امور ایجاد کئے گئے جس کا وجود دورِ اول میں نہیں تھا۔ جو احداث للدین ہیں نہ کہ فی الدین، اس مضمون کو حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی دامت برکاتہم نے اپنے مقدمہ میں جو (اکابر کا سلوک و احسان پر) لکھا گیا ہے، تفصیل سے لکھا ہے اور قابلِ دید ہے جس میں وسائل و مقاصد کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رح کا بیان اپنے ایک مکتوب میں حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ شریعت کے تین جزو ہیں۔ علم، عمل، اخلاص، جب تک یہ تینوں جز متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوگی۔ شریعت متحقق ہوگی تو رضائے حق سبحانہ حاصل ہوگی۔ یہ رضائے باری ہی تمام سعاداتِ دنیویہ و اخرویہ سے بلند و بالا ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَر۔ پس شریعت ہی تمام سعادتِ دارین کی ضامن ہے۔

آگے فرماتے ہیں: طریقت و حقیقت جن کے ساتھ صوفیاء ممتاز ہیں دونوں شریعت کے جزِ سوم یعنی اخلاص کی تکمیل کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

پس اِن دونوں کی تحصیل سے غرض شریعت ہی ہے نہ کہ کوئی اور امر، علاوہ شریعت کے احوال و مواجید علوم و معارف جو صوفیاء کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں وہ مقاصد نہیں ہیں، بلکہ ان کی حیثیت ان خیالات کی سی ہے جن سے اطفالِ طریقت کی تربیت ہوتی ہے۔ ان سب چیزوں سے آگے بڑھ کر مقامِ رضاء تک پہونچنا چاہیئے۔ کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں مقاماتِ جذب و سلوک کی انتہا ہے۔

آگے فرماتے ہیں: ہاں یہ بات ضرور ہے کہ حصولِ مقامِ اخلاص اور حصولِ مرتبۂ رضاء ان احوال و مواجید اور علوم و معارف کے تحقق سے وابستہ ہے۔ لہٰذا یہ احوال و مواجید مقدّماتِ مقصود ہیں نہ کہ مقصود۔ یہ حقیقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں کامل دس سال کے بعد اس راہ میں چل کر واضح ہوئی ہے (ماخوذ از شریعت و طریقت کا تلازم)

ازمُرتّب مجدّد صاحبؒ کے کلام سے معلوم ہوا کہ اصل مقصد اخلاص کا حاصل کرنا ہے جس پر رضاءِ باری مرتّب ہوتی ہے۔

یہ کمالِ اخلاص صحابۂ کرام رضؓ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے کامل تھا۔ اسی وجہ سے صحابی کا ایک مد جو خیرات کرنا بعد کے لوگوں کے اُحد پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ کہ ان کے صدقہ میں احسان و اخلاص کی وہ روح و کیفیت ملی ہوئی تھی۔ جو بعد والوں میں صحبتِ نبوی ؐ سے دُوری کی وجہ سے نہ رہی۔ جیسے کہ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد قبرِ اطہر پر مٹی ڈال کر ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب کی نورانیت میں فرق پایا (مشکوٰۃ)

اِس احسانی کیفیت و روحِ اخلاصی کے حصول کے لئے فنِّ تصوّف کو ایجاد کیا گیا

قرآن و حدیث کی روشنی ہیں۔ جیسے کہ بے شمار علوم و فنون جو دورِ صحابہ میں باقاعدہ مدوّن نہیں تھے، لیکن ضرورت کے پیشِ نظر بعد میں اس کی باقاعدہ تدوین کی گئی۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی علیہ الرحمہ کا بیان

حضرت شیخ زکریا رح اپنی تصنیف شریعت و طریقت میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ کے مکاتیب میں بھی کثرت سے اس پر زور دیا گیا ہے کہ مقصودِ اصلی سلوک سے احسان ہے۔ وہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ میرے محترم! مقصودِ اصلی سلوک سے احسان ہے۔ ان تعبد اللہ کانّک تراہ (الحدیث) یعنی سالک میں ملکہ راسخ پیدا ہو جائے۔ یہ مبدأ ہے اور باعتبار نہایت کے رضائے باری عز اسمہ کا حصول ہے ؎

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر ازیں تمنائے

فراق و وصل کیا ڈھونڈتا ہے محبوب کی رضامندی ڈھونڈ کہ محبوب سے محبوب کے سوا کی تمنا بڑے افسوس کی بات ہے۔

جامعیت علامہ سید سلیمان ندوی رح اپنے ایک مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں: (ماخوذ از اصولِ دعوت)

ہندوستان میں جن بزرگوں کے دم قدم سے اسلام کی روشنی پھیلی وہ حقیقت میں وہی تھے جن کی ذات میں مدرسہ اور خانقاہ کے کمالات کی جامعیت تھی کہ وہ اسوۂ نبوت سے قریب تر تھے۔ اس لئے ان کا فیض بعید سے بعید تر

حصہ تک پھیلتا چلا گیا۔ آسمانِ دلّی کے مہر و ماہ اور تارے شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر شاہ اسماعیلؒ تک کو آپ ایک ایک کر کے دیکھیں تو ظاہر و باطن کے علوم والوں کی یکجائی کا نظارہ آپ کو ہوگا اور اس سے ان کے علمی و روحانی برکات کی وسعت کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔ وہ علوم کی تدریس کے وقت یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کا جلوہ دکھاتے تھے۔ اور حجروں میں بیٹھ کر "یُزَکِّیْھِمْ" کی جلوہ ریزی فرماتے تھے۔ (اصولِ دعوت)

کسی نے خوب کہا ہے ؎

در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی تشریح جوان کی مشکوٰۃ کی شرح

لمعات التنقیح سے نقل کی جاتی ہے:

(فاخبرنی عن الاحسان) لما بین معنی الاسلام والایمان الذی ھو اصل الدین وملاکہ اراد ان یکشف عن معنی الاحسان الذی بہ کمال الدین وتمامہ یرجع الی الصدق فی الاخلاص الذی لا یصح ولا یتم الایمان والعمل الا بہ وقد کثر فی الآیات والاحادیث ذکرہ کقولہٖ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ وقولہ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وزیادۃ وقولہ تعالیٰ بلیٰ من اسلم وجھہٗ للّٰہ وھو محسن وقولہ تعالیٰ ثم اتقوا وّاٰمنوا ثم اتقوا واحسنوا وَّ امثالھا وھو افعال من الحسن و یستعمل علیٰ وجھین احدھما احسان العمل واتیانہ علیٰ وجہِ الاکمال والاتقان کقولھم احسنت کذا وفی کذا منہ ان اللّٰہ کتب الاحسان علیٰ کلِّ

شيئ فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة واذا ذبحتم فاحسنوا الذبحة الحديث۔
وثانيهما بمعنى الانعام على الغير كقولهم احسنت الى فلان اذا فعلت معه
مايحسن فعله والمراد ههنا الاول اذ حاصله راجع الى اتقان العبادات
واتيان بها على الوجه الاكمل وقال الطيبي يجوز ان يحمل الاحسان ههنا
ايضاً على الانعام وذلك ان العامل المرائي يبطل عمله ويحبط فيظلم
على نفسه فقيل له احسن الى نفسك ولا تشرك بالله واعبد الله كانك
تراه والا فهلكت انتهى (ان تعبد الله) عبد اطاع والتعبد التنسك
والعبودية الخضوع والذل (كأنك تراه) بين رسول الله صلى الله
عليه وسلم الاحسان فى العبادة على وجهين احدهما لمن بلغ غاية
مرتبة بحيث كان يرى معبوده تعالى سبحانه وهو مقام المشاهدة
ويلزمه غاية الهيبة والتعظيم والاجلال والخضوع والخشوع والحياء
والمحبة والانجذاب والشوق والذوق والاجتماع بظاهره وباطنه۔
وثانيهما لمن لم ينته الى تلك الحالة لكن يغلب عليه ان الحق سبحانه
مطلع عليه ورقيب على احواله وقد نبه عليه بقوله (فان لم تكن تراه
فانه يراك) يعنى ان لم يكن فى حضورك بحيث كأنك تراه فلاحظ
رؤيته سبحانه واطلاعه عليك وهذا حال المراقبة وهو فى
اصطلاحهم ملاحظة العبد نظر الله سبحانه اليه واطلاعه على احواله
الظاهرة والباطنة وهذا ايضاً يورث الخوف والخشية والاجتماع فى الحركات
والسكنات وضبط الافعال ورعاية الادب فى جميع الحالات وعدم
الالتفات يميناً وشمالاً كمن قام فى حضرة سلطان جبار قهار يراقب احواله
ويشاهد اعماله يضيق عليه مجال الغفلة وسوء الادب لكن المقام الاول

اعلیٰ وارفع وھو مقام سید المرسلین و اکمل العابدین حیث اشار الیہ بقولہٖ وجعلت قرۃ عینی فی الصلٰوۃ۔

خلاصۂ کلام شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی مذکورہ تشریح سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کیفیتِ احسان سے کمالِ دین حاصل ہوتا ہے، جس کا مرجع اخلاص ہے کہ جس کے بغیر ایمان و عمل تام نہیں ہوتے۔ نیز آیات و احادیث میں کثرت سے اس کا ذکر آیا ہے، اور بطورِ مثال چند آیتیں بھی تحریر فرمائی ہیں۔ پھر احسان کے دو معنیٰ بیان کئے ہیں۔ ایک عمل کو عمدہ کرنا اور علیٰ وجہ الکمال ادا کرنا وہی معنیٰ یہاں مراد ہیں دوسرا معنیٰ غیر پر احسان کرنا، انعام کرنا وہ بھی بتاویل مراد لئے جا سکتے ہیں کہ شرک و ریاء سے بچکر عمل میں اخلاص پیدا کرکے اپنی ذات پر انعام و احسان کرو، پھر احسان کے دو مراتب بیان کئے ہیں۔ ایک اعلیٰ جس کو مشاہدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، گویا بندہ دل کی آنکھ سے کامل دھیان ہونے کی وجہ سے رب کا مشاہدہ کر رہا ہے (گو ظاہری آنکھوں سے دنیا میں مشاہدہ نہیں ہوتا) اور دوسرا مرتبہ ادنیٰ اور اس کا نام مراقبہ رکھا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو احسان کا اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ اسی وجہ سے آپ کا فرمان ہے قرۃ عینی فی الصلٰوۃ۔ اور آپؐ کے طفیل اکابر عابدین کو بھی یہ مقام حاصل تھا (جس کی بے شمار مثالیں کتابوں میں موجود ہیں)

از مرتب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی نبیؐ کے طفیل یہ مرتبۂ احسان اپنی عبادتوں اور اعمال میں عطا فرمائے۔ اور انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہمارا حشر فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

اعمالِ قلبیّہ

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح کا ارشاد

شریعت کے اندر جن اعمال کے کرنے اور جن کے نہ کرنے کا حکم ہے وہ دو قسم کے ہیں۔ بعض کا تعلق ظاہر بدن یا ظاہری چیزوں سے ہے۔ جیسے کلمہ پڑھنا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ماں باپ کی خدمت، ان کو "ماموارت" کہتے ہیں۔ اور کلمات کفر کہنا، شرک کے افعال کرنا، زنا، چوری، سود خوری، رشوت وغیرہ ان کو "مناہی" کہتے ہیں۔ بعض اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق باطن سے ہے۔ جیسے ایمان، تصدیق وعقائد حقّہ، صبر و شکر، توکّل، رضا بالقضاء، تفویض واخلاص، محبتِ خدا تعالیٰ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ ان کو ماموارت وفضائل کہتے ہیں۔ اور عقائدِ باطلہ بے صبری، ناشکری، ریا، تکبّر، عُجب وغیرہ۔ یہ "مناہی ورذائل" ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔

جس طرح قرآن مجید میں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو) موجود ہے۔ اسی طرح یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا (اے ایمان والو! صبر کرو) اور وَاشْکُرُوْا (اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ) بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ (تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے) اور لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ (لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے لئے خانہ کعبہ کا حج فرض ہے) پاؤ گے تو دوسرے مقام میں یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ

اور وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔ اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں) بھی دیکھوگے۔ جہاں اِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی (جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں) مذکور ہے، اس کے ساتھ ہی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ (لوگوں کو دکھلاتے ہیں) بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر تارکِ نماز و زکوٰۃ کی مذمت ہے تو دوسرے مقام میں تکبر و عجب کی برائی بھی موجود ہے۔ اسی طرح احادیث کو دیکھو، جس طرح ان میں ابواب نماز و روزہ، بیع و شراء، نکاح و طلاق پاؤگے، ابواب ریاء و کبر وغیرہ بھی دیکھوگے۔

جس طرح اعمالِ ظاہرہ حکمِ خداوندی ہیں، اسی طرح اعمالِ باطنہ بھی حکمِ خداوندی ہیں۔ کیا اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ امر کا صیغہ ہے، اور اِصْبِرُوْا وَاشْکُرُوْا امر کا صیغہ نہیں؟ بلکہ اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ ظاہری اعمال سبھی باطن کی اصلاح کے لئے ہیں۔ اور باطن کی صفائی مقصود اور موجبِ نجات اور اس کی کدورت موجبِ ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰہَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰہَا۔ الآیہ

بیشک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب ہوا اور جس نے اس کو میلا کیا ناکام رہا۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔ الآیہ

اُس دن مال اور اولاد کام نہ آئیں گے مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس سلامت قلب لیکر آیا۔

ایمان و عقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے قلب ہی کا

فعل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان ہی کی تکمیل کے لئے ہیں
پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے۔ دل بمنزلہ بادشاہ
کے ہے اور اعضاء اُس کے لشکر یا غلام ہیں۔ اگر بادشاہ درست ہو جائے
تو توابع خود بخود اس کی مطابقت کرنے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے ہیں:

اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ (الحدیث)

بیشک آدمی کے بدن میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن تباہ ہو جاتا ہے۔ سُن لو وہ دل ہے۔

اہلِ علم بھی اس کا خیال نہیں کرتے کہ سوائے ظاہری قیام وقعود
کے اور بھی کچھ ہے اور وہ ضروری بھی ہے۔ مثلاً بظاہر اُٹھ بیٹھ لئے اور
نماز ادا ہو گئی۔ حالانکہ قرآن مجید میں جہاں قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ
ھُمْ فِیْ صَلٰوتِہِمْ ہے، اس کے ساتھ ہی خَاشِعُوْنَ (خشوع کرنے والے) بھی
لگا ہوا ہے۔ جب صَلٰوتِہِمْ سے نماز شرعی مطلوب سمجھتے ہیں تو
کیا وجہ ہے کہ خَاشِعُوْنَ سے خشوع کو مطلوب نہیں سمجھتے، حالانکہ
دونوں حکم ضروری ہیں۔

(ماخوذ از شریعت وطریقت)

حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

(ماخوذ از شریعت و طریقت کا تلازم)

فرماتے ہیں:

علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ "التحفۃ العراقیۃ فی اعمال القلبیۃ" میں اعمالِ قلوب پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں (اصل رسالہ عربی میں ہے، ترجمہ میں اس کا ملخص لیا گیا ہے) کہ یہ مختصر کلمات اعمالِ قلوب کے بیان میں ہیں جن کو مقامات و احوال سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور یہ اصول ایمان و قواعد دین میں سے ہیں جیسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت، توکل، اخلاص، شکر، صبر، خوف و رجاء وغیرہ۔ یہ سارے اعمال تمام مخلوق پر واجب ہیں، اس میں ائمہ دین کا اتفاق ہے۔ اور لوگ اسمیں تین درجہ پر ہیں جیسا کہ اعمال ابدان میں تین درجوں پر ہیں (۱) ظالم (۲) مقتصد (۳) سابق بالخیرات۔

(۱) ظالم وہ ہے جو کسی مامور کا تارک اور ممنوع کا مرتکب ہو (۲) اور مقتصد وہ ہے جو واجبات کو ادا کرے اور محرمات سے بچے (۳) اور سابق بالخیرات وہ ہے جو حتی المقدور تقرب حاصل کرے۔ واجبات، مسنونات و مستحبات سب کے ذریعہ اور ممنوعات کی ہر قسم محرمات مکروہات سب سے بچے، اگرچہ مقتصد اور سابق بالخیرات سے بھی گناہ ہو جاتے ہیں، جو یا تو توبہ سے یا نیکیوں سے یا مصائب کے ذریعہ سے معاف کر دیئے جاتے ہیں اور یہ دونوں مقتصدین اور سابقین اولیاء اللہ میں سے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کی اس

آیت میں ہے اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ. لہٰذا اولیاء اللہ مومنین متقین ہیں لیکن یہ ان مومنین متقین کی دو قسمیں ہیں، عام اور خاص، عام مقتصدین ہیں اور خاص سابقین بالخیرات ہیں۔

اس کے بعد علامہ ابن تیمیہ رح نے پورے رسالے میں اعمالِ باطنہ کی مختصر تفصیل لکھی ہے۔ صدق و کذب، اللہ کی محبت، اس کے ساتھ اخلاص، اس پر توکل اور اس کی رضا جوئی اور اس جیسے اعمالِ باطنہ سب مامور بہ ہیں۔ توکل علی اللہ اور اللہ سے مدد چاہنے سے بھی بندہ اپنے مقصود کو پہونچ سکتا ہے۔ پھر توکل پر مفصل بحث کی ہے۔ واجباتِ ایمان میں سب سے اعظم و اکبر و اجل اللہ کی محبت اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہے۔ نیز اللہ کے محب اور محبوبین کی صفات اور یہ کہ اللہ کی محبت اصل اعمال دین ہے۔ اور رجاء و خوف وغیرہ اللہ کی محبت کو مستلزم ہیں۔ اللہ کی محبت میں قدماء صوفیہ کا کلام، اللہ کی محبت کا لازمی نتیجہ ہے کہ اس کے رسول کا اتباع کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع باطناً و ظاہراً اللہ کی محبت کو پیدا کرتا ہے، وغیرہ امور پر بہت طویل کلام کیا ہے۔ پورا رسالہ دیکھنے کے قابل ہے۔ (شریعت و طریقت)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح کا ارشاد

(ماخوذ از شریعت و طریقت)

علم الصوفیہ علم الدین ظاہراً و باطناً و قوۃ الیقین وھو العلم الاعلیٰ۔ حالہم اصلاح الاخلاق و دوام الافتقار الی اللہ تعالیٰ۔

حقیقۃ التصوف التخلق باخلاق اللہ تعالیٰ وسلب الارادۃ وکون العبد

فی رضاء اللّٰہ تعالیٰ۔ اخلاق الصوفیۃ ما ھو خلقہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بقولہ انک لعلیٰ خلق عظیم وما ورد بہ الحدیث وتفصیل اخلاقہم ھکذا (۱) التواضع ضدہ الکبر (۲) المداراۃ واحتمال الاذیٰ عن الخلق (۳) المعاملۃ برفق وخلق حسن وترک غضب وغیظ (۴) المواساۃ والایثار بفرط الشفقۃ علی الخلق وھو تقدیم حقوق الخلق علیٰ حظوظہ (۵) السخاوۃ (۶) التجاوز (۷) العفو وطلاقۃ الوجہ والبشرۃ (۸) السہولۃ ولین الجانب (۹) ترک التعسف والتکلف (۱۰) انفاق بلا اقتار وترک الادخار (۱۱) التوکل (۱۲) القناعۃ بیسیر من الدنیا (۱۳) الورع (۱۴) ترک المراء والجدال والعتب الا بحق (۱۵) ترک الغل والحقد والحسد (۱۶) ترک المال والجاہ۔ (۱۷) وفاء الوعد (۱۸) الحلم (۱۹) الاناءۃ (۲۰) التواد والتوافق مع الاخوان والعزلۃ عن الاغیار (۲۱) شکر المنعم (۲۲) بذل الجاہ للمسلمین۔

الصوفی یھذب الظاھر والباطن فی الاخلاق والتصوف ادب کلہ۔ ادب الحضرۃ الالٰھیۃ الاعراض عمن سواہ حیاء واجلالاً وھیبۃ۔ اسوء المعاصی حدیث النفس وسبب الظلمۃ۔

ترجمہ جو مولانا میرٹھی نے لکھا ہے:

صوفیہ کا علم نام ہے ظاہر و باطن، علم دین و قوت یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے صوفیہ کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لَو لگائے رکھنا ہے۔ تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔ صوفیہ کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق ہے۔ حسب فرمان خداوند تعالیٰ کہ بیشک تم بڑے خلق پر پیدا کئے گئے ہو۔ اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے اس پر

عمل اخلاقِ صوفیہ میں داخل ہے۔ صوفیہ کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱) اپنے آپ کو کمتر سمجھنا اور اس کی ضد ہے تکبر (۲) مخلوق کے ساتھ تلطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کو برداشت کرنا (۳) نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا اور غیظ و غضب کا چھوڑ دینا (۴) ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا خلق پر فرطِ شفقت کے ساتھ جس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے (۵) سخاوت کرنا (۶) درگذر اور خطا کا معاف کرنا (۷) خندہ روئی اور بشاشتِ جسم (۸) سہولت اور نرم پہلو رکھنا (۹) تصنع اور تکلف کو چھوڑ دینا (۱۰) خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو (۱۱) خدا پر بھروسہ رکھنا (۱۲) تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا (۱۳) پرہیز گاری (۱۴) جنگ و جدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ (۱۵) بغض و کینہ اور حسد نہ رکھنا (۱۶) عزت و جاہ کا خواہشمند نہ ہونا (۱۷) وعدہ پورا کرنا (۱۸) بردباری (۱۹) دور اندیشی (۲۰) بھائیوں کے ساتھ موافقت و محبت رکھنا اور اغیار سے علیحدہ رہنا (۲۱) محسن کی شکر گذاری (۲۲) اور جاہ کا مسلمانوں کے لیے خرچ کرنا۔

صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنا لیتا ہے اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے۔ بارگاہِ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے منہ پھیر لیا جائے۔ شرم کے مارے حق تعالیٰ کے اجلال اور ہیبت کے سبب، بدترین معصیت ہے تحدیثِ نفس یعنی نفس سے باتیں کرنا اور ظلمت کا سبب ہے۔

انتہیٰ کلام قطب الارشاد مع الترجمہ۔

بیعت

حضرت شیخ رح فرماتے ہیں:

صوفیاء کی بہت سی چیزوں پر لوگوں کو اعتراض ہے، حالانکہ بیعت صوفیاء کے یہاں لازم نہیں، جیسا کہ میں آگے بیان کروں گا مگر اس کا ثبوت قرآن و حدیث سے ہے۔ قرآن پاک میں سورہ ممتحنہ میں ہے۔ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ۔ الآیۃ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آویں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شئی کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لاویں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان بنالیویں اور مشروع باتوں میں آپ کے خلاف نہ کریں گی تو آپ ان کو بیعت کرلیا کیجئے، اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (بیان القرآن)

اس کے حاشیہ پر حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ آیت بیعت کی غرض میں صریح ہے اور اس سے بیعت رسمی کا جس میں عمل کا اہتمام نہ ہو ابطال لازم آتا ہے۔ بخاری شریف میں کتاب الایمان میں حضرت عبادہ بن الصامت کی روایت ہے۔ عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ وکان شهد بدراً وهو احد النقباء ليلة العقبة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال وحوله عصابة من اصحابه بايعوني على ان لا تشركوا بالله شيئاً و لا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادكم ولا تاتوا ببهتان تفترونه بين ايديكم وارجلكم ولا تعصوا في معروف فمن وفى منكم فاجره على الله و من اصاب من ذلك شيئاً فعوقب في الدنيا فهو كفارة له ومن اصاب من ذلك شيئاً ثم ستره الله فهو الى الله ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبه

فبایعناہ علیٰ ذٰلک۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو غزوۂ بدر میں بھی شریک تھے اور لیلۃ العقبہ کے نقباء میں سے ایک تھے، ان سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور آپ کے چاروں طرف صحابہ کی ایک جماعت تھی، آؤ مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروگے اور نہ چوری کروگے، نہ زنا کروگے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کروگے اور نہ کسی پر بہتان باندھوگے اور مشروع باتوں کے خلاف نہ کروگے۔ جو اس عہد کو پورا کرے اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اور جو ان چیزوں میں سے کسی کا مرتکب ہوگا اور اس کی سزا اس کو دنیا میں مل گئی تو یہ سزا اس کے لئے کفّارہ ہوگی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ستّاری کی تو آخرت میں اللہ جل شانہ، چاہے اس کو سزا دیں چاہے معاف کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے۔ حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے ان باتوں پر آپؐ سے بیعت کی۔ یہ بیعت نہ بیعتِ اسلام ہے نہ بیعتِ جہاد ہے وہی بیعتِ صوفیہ ہے جو امورِ اسلام پر تاکید کے واسطے کی گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے القول الجمیل میں بیعت کی حقیقت پر مفصّل کلام کیا ہے جس کا ترجمہ شفاء العلیل میں یہ ہے۔ قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ۔ الاٰیۃ۔ حق تعالیٰ نے فرمایا یقیناً جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ سو جو عہد شکنی کرتا ہے تو اپنی ذات کی مضرت پر عہد توڑتا ہے اور جس نے پورا کیا اس کو جس پر اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا، سو ان کو عنقریب اجرِ عظیم عنایت کرے گا۔ (از شریعت و طریقت کا تلازم صہ ۱۲۲)

قلبِ سلیم کی تعریف

ماخوذ از وصیۃ العرفان شمارہ رجب ۱۳۹۸ھ

ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ یہ قلبِ سلیم کسے کہتے ہیں؟ فرمایا کہ قلبِ سلیم اس قلب کو کہتے ہیں جو کہ بیس ۲۰ فضائل سے متصف ہو اور بیس ۲۰ رذائل سے خالی ہو. بہرحال وہ بیس ۲۰ جن سے خالی ہونا چاہیئے، یہ ہیں شرک، نفاق، عداوت، رغبت، حرص، شک، جہل، اصرار علی الصغائر، کبر، غیر اللہ سے تعلق، طمع، امید، جزع فزع، عُجب، بُخل، قنوط یعنی اللہ تعالیٰ سے نا امید ہونا، خدا کے مکر سے مامون ہونا، حسد، سوءِ ظن، نسیان یعنی غفلت. اور وہ بیس ۲۰ جن سے متصف ہونا چاہیئے، یہ ہیں. توحید، اخلاص، خیر خواہی، زہد، قناعت، یقین، علم، تفویض، لوگوں سے مایوس ہونا یعنی ترکِ توقع، قصد، صبر، موت کی یاد، جُود یعنی سخاوت، توبہ، تواضع، خوف، رجا یعنی اللہ سے امید رکھنا، بھوک، حسنِ ظن، اللہ تعالیٰ کی یاد اور اسکی محبت

از مرتب

متقدمین صوفیاء ازالۂ رذائل کو مقدم سمجھتے تھے اور بڑے بڑے ریاضات و مجاہدات کراتے تھے جسمیں بسا اوقات سالہا سال خرچ ہوجاتے تھے. متأخرین نے قویٰ کی کمزوری کے پیشِ نظر تدبر سے کام لیا وہ وصول الی اللہ اور توجہ لذات المقدسہ کو مقدم فرماتے ہیں. اور ذکر کی کثرت سے اس رابطہ میں انہماک کرا کر حضورِ دائم کو پیدا کراتے ہیں اور اس میں ملکہ کو رسوخ و قوت دیتے ہیں جس کی وجہ سے اخلاقِ ذمیمہ اور رذائل ایک ایک کرکے زائل ہوجاتے ہیں.

(خلاصہ ماخوذ از شریعت وطریقت)

اللہ تعالیٰ ہمارے اخلاقِ رذیلہ بھی صاف فرما کر فضائل سے متصف فرمائے اور اپنی رضاء و محبت عطا فرمائے. آمین یا ربّ العالمین! فقط

العبد موسیٰ بدات عفی عنہ

بمقام باٹلی. برطانیہ. یوکے. مورخہ ۱۷ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ